



اب تک تعبیری التباسات سے دامن بچانے کی جتنی بھی کوششیں ہوئی ہیں وہ سنی اسلام کے مر وجہ چار قالبوں کی تزئین و آرائش تک ہی محدود رہی ہیں۔ ہم اس بنیادی سوال سے اپنا دامن بچاتے رہے ہیں کہ کیا ان چار فقہاء کے بغیر کسی اسلامی زندگی کا تصور ممکن ہے؟ یہ خیال ہے جس سے اصولی طور پر اتفاق کے باوجود عملی طور پر ہم اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اگر یہ چار فقہاء من جانب اللہ دین اسلام کی اساس نہیں بنائے گئے ہیں تو آخر ان کے ترک کرنے سے ہماری دینی زندگی کیوں کر منہدم ہو جائے گی؟ کیا ان مدونہ جامد فقہی دوادین کے بغیر کوئی واقعی اسلامی معاشرہ قائم نہیں ہو سکتا؟

حقيقی اسلام کی حمایت میں

کرہ ارض کی ڈیڑھ بلین سے زائد آبادی، جو خود کو محمد رسول اللہ کا مقبیع کہتی ہے، نظری طور پر اس خیال کی حامل ہے کہ وہ خیر امت ہے اور اسے تاریخ کے آخری لمحے تک اقوام عالم کی قیادت کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ مسلمان جس طرح خدا، رسول، ملائکہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اسی طرح یہ بات بھی ان کے ایمان کا لازم ہے کہ منصب سیادت سے اہل یہود کی معزولی کے بعد اب انہیں انسانی تاریخ میں ایک کلیدی اور قائدانہ روں انجام دینا ہے۔ ایک طرف نظری طور پر اقوام عالم کی قیادتِ علیا کا دعویٰ اور دوسری طرف عملی دنیا میں ان کا انتشار اور پرا گندگی۔ عقیدے اور عمل کے اس بعد المشرقین نے مسلم ذہن کو صدیوں سے سخت تشنیج سے دوچار کر رکھا ہے۔ ہم یہ سمجھنے سے قادر ہیں کہ ہم اگر واقعی خیر امت ہیں تو دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلے میں ہماری کمزوری اور انتشار اتنا نمایاں کیوں ہے۔ کیا یہی ہیں وہ برکات جو خیر امت کے حوالے سے ہمارے حصے میں آنی چاہئے تھیں؟ مسلم اہل فکر گزشتہ کئی صدیوں سے اس خیال کا اظہار کرتے رہے ہیں کہ ہم من حيث الامم مسلسل زوال سے دوچار ہیں اور یہ کہ ہمارے تاریخی سفر میں کہیں کوئی بڑی گڑ بڑی واقع ہو گئی ہے جس نے ہمیں مسلسل ایک سفر معلکوں میں بنتلا کر رکھا ہے۔ مااضی میں تجدید و احیاء کی جتنی بھی کوششیں ہوئیں وہ فقط اس بات پر مرکوز تھیں کہ مسلم معاشرے میں اصلاح احوال کی جوٹ جگائی جائے۔ معاشرے کی اخلاقی حالت درست ہو۔ مذہبیت اپنے روایتی ثقافتی مظاہر کے ساتھ دوبارہ معاشرے میں جاری و ساری

ہو جائے۔ گویا زوال زدہ معاشرے پر مذہبی رسوم کا غازہ کچھ اس طرح ملا جائے کہ یہاں معاشرہ کے چہرے پر قوتی طور پر زندگی کی رمق واپس آتی دکھائی دے۔ اس سے آگے بڑھ کر کوئی وقوع کوشش ہوئی بھی تو بات یہاں تک پہنچی کہ مختلف فقہی خیموں سے وابستہ شخصیات اپنے اپنے فقہی ممالک کی روشنی میں غور و فکر کا فریضہ انجام دے لیں اور بس۔ یہ خیال ہمارے دائرة فکر سے باہر رہا کہ متوارث اسلام نسل بہ نسل اپنے اصل سے دور ہوتا گیا ہے۔ مختلف عہد کے علماء و متكلمین کی تعبیرات اور ان کی دانشورانہ مداخلتوں نے عہد بہ عہد اسے اس طرح متاثر کیا ہے کہ اب اسے اس کے اصل پر لوٹائے بغیر آگے کاراستہ خالص وحی ربانی کی رہنمائی میں طے نہیں کیا جاسکتا۔ گوہ کہ اسلام کی تعبیر نو اور سرچشمہ وحی تک واپسی کا خیال ہماری فکری تاریخ میں اجنبی نہیں تھا البتہ سنی اسلام میں چار فقہاء کے تعین کے بعد عملی طور پر کسی پانچویں فقہ کے قیام کا راستہ بندراہ اور کتاب و سنت سے راست چراغ جلانے کی شدید خواہش کے باوجود ہمارے کبار مفکرین بھی ان چار فقہی دائروں سے باہر قدم رکھنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اجتہاد فی الغروع یا اجتہاد فی المذهب کے دروازے تو یقیناً کھلے رہے ہیں اب اجتہاد فی الاصول یا اجتہاد مطلق کے لئے اتنی سخت شرائط عائد کر دی گئیں کہ ان پر کسی عام گوشت پوسٹ کے انسان کا پورا اتنا ممکن نہ رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم صورت حال کی اصلاح کا حوصلہ کھو بیٹھے۔ اس لئے کہ ہم سمجھتے تھے کہ اب کسی مجتہد مطلق کا ظہور ممکن نہیں۔ پچھلے غور و فکر کا تمام کام انجام دے گئے۔ ہمارا کام ان کے اقوال کی علت تلاش کرنا اور انہیں نئے مسائل پر منطبق کرنا ہے اور بس۔ ہمارا زوال جاری رہا اور اب بھی جاری ہے۔

تجدید و احیاء کا یہ عمل، جسے اب تک صرف مسلم معاشرے کی اصلاح تک محدود رکھا گیا ہے، اس خیال کا حامل ہے کہ مسلم معاشرہ اسلام سے اپنی دوری کے سبب زوال پذیر ہے اور یہ کہ اسلام سے دوبارہ اس کی وابستگی اسے پھر سے سیادت کے منصب پر فائز کر دے گی۔ اس خیال کی صداقت سے بھلا کسے انکار ہو سکتا ہے۔ البتہ اصلاح احوال کی مساعی میں اس بات کی ضرورت کم ہی سمجھی جاتی ہے کہ موجودہ یہاں مسلم معاشرے کو اسلام کے نام پر جو دینی اور روحانی خوراک پلاٹی جاتی رہی ہے اور جس کے سبب قرین اول جیسے نتائج حاصل نہیں ہو پاتے تو اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس روحانی اور دینی خوراک کا تعلق اس اسلام سے برائے نام رہ گیا ہے جو محمد رسول اللہ کے ذریعہ ساتویں صدی عیسوی کے مکہ میں آیا تھا۔ اس کے برعکس متوارث اسلام میں اجنبی خیالات، فقہاء و متكلمین کے التباسات، مفسرین اور متصوفین کی تعبیرات اتنی بڑی مقدار میں شامل ہو گئی ہیں جس نے وحی ربانی کی تجلیوں کو ہماری نگاہوں سے اوچھل کر رکھا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام کو جیسا کہ وہ محمد رسول اللہ کے ذریعہ آیا، اس کی اصل پر دوبارہ قائم کیا جائے تب ہی یہ ممکن ہے کہ ہماری دینی اور ملی زندگی قرین اول جیسے نتائج پیدا کرے۔ بالفاظ دگر یہ کہہ لیجئے کہ مسلم معاشرے کی تجدید و اصلاح سے پہلے مصلحین کے لئے یہ لازم ہوگا کہ وہ متوارث اسلام کی اصلاح کا بیڑہ اٹھائیں۔

مسلمانوں کے مابین مختلف فقہی گروہوں کا پیدا ہونا اور پھر فقہی مسلکوں کے اندر مختلف تعبیری اور جماعتی حلقوں کا قیام اس

بات سے عبارت ہے کہ بادی انظر میں مسلم اہل فکر متواتر اسلام کی اصلاح کو ایک خیال عبث نہیں سمجھتے۔ بین امسلمین مختلف فکری دائروں کا وجود میں آنا اور ہر فرقے کو اس بات کی خوش نہیں کہ وہی فرقہ ناجیہ ہے اسی خیال سے عبارت ہے کہ متواتر اسلام کے مختلف ایڈیشن ایک دوسرے کو دین اسلام کا حقیقی مظہر نہیں سمجھتے۔ البتہ متواتر اسلام کے سلسلے میں ان تمام شکوک و شبہات کے باوجود اگر ہمارا اس سے پچھا نہیں چھوٹا تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم متواتر اسلام کے تنقید و تجزیہ میں اپنے پسندیدہ مسلکی تعبیرات سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ مثلاً اہل سلف کو یعنی جو اس اعتبار سے تو ایک صحت مند رویے کی نمائندگی کرتے ہیں کہ فقهاء و متفقین پر تکیہ کرنے کے بجائے کتاب و سنت سے راست اکتساب کیا جانا چاہئے البتہ سنت کی تعبیر میں بعض ائمہ محدثین کو وہ اپنے فہم کی کلید کچھ اس طرح تھاماتے ہیں کہ اس پر تقليد آباء کا واضح گمان ہوتا ہے۔ ان کے اس رویے سے کتاب و سنت سے راست اکتساب کی امید اگلے ہی لحد متوڑ دیتی ہے۔ اسلام کی تعبیر میں رسول اللہ اور ان کے صحابہ کرام کے اقوال و آثار سے بڑھ کر بھلاکس بات کو اعتبار ہو سکتا ہے لیکن تخلیل و تجزیہ کے مرحلے میں راوی کی ہربات پر صرف اس لئے ایمان لے آنا کہ فلاں عالم یا محدث نے اسے ثقہ جانا ہے دراصل انسانی التباسات کو سند فراہم کرنا ہے۔ پھر یہ کہ ہمارے متفقین میں خواہ وہ فقهاء ہوں یا محدثین اپنے بلند علمی مراتب کے باوجود وہ بھی بہر حال انسان تھے۔ ان سے تعبیری لغزشوں کے امکان کو یکسر رذہ نہیں کیا جاسکتا۔ وحی ربانی کی تعبیر تاریخی حوالوں سے نہیں کی جاسکتی کہ تاریخ اپنی منتها پر بھی وحی جیسی لازوال حتمی صداقت کا ہم پلہ نہیں ہو سکتی۔ متواتر اسلام کو اجنبی تصورات سے پاک کرنے کے لئے لازم ہو گا کہ ہم خالصتاً وحی ربانی کی روشنی میں اسلام کے مختلف مروجہ قالب کا نقدانہ جائزہ لیں۔ خواہ ایسا کرنے میں ہمیں اپنے پسندیدہ فقہی مسلک یا فرقے کی صداقت مشتبہ ہوتی ہوئی کیوں نہ معلوم ہو۔

اب تک تعبیری التباسات سے دامن بچانے کی جتنی بھی کوششیں ہوئی ہیں وہ سنی اسلام کے مروجہ چار قالبوں کی تزئین و آرائش تک ہی محدود رہی ہیں۔ ہم اس بنیادی سوال سے اپنا دامن بچاتے رہے ہیں کہ کیا ان چار فقهاء کے بغیر کسی اسلامی زندگی کا تصور ممکن ہے؟ یہ وہ خیال ہے جس سے اصولی طور پر اتفاق کے باوجود عملی طور پر ہم اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اگر یہ چار فقهاء مکن جانب اللہ دین اسلام کی اساس نہیں بنائے گئے ہیں تو آخر ان کے ترک کرنے سے ہماری دینی زندگی کیوں کر منہدم ہو جائے گی؟ کیا ان مدونہ جامد فقہی دوادین کے بغیر کوئی واقعی اسلامی معاشرہ قائم نہیں ہو سکتا؟ اس سوال کا کوئی جواب فراہم کرنے سے پہلے لازم ہو گا کہ ہم فقہ کی ماہیت اور حقیقت پر تنقیدی نظر ڈالیں۔ قرآنی دائرہ فکر میں سوچنے والا ہن اگر کل اپنے عقل و فہم کی روشنی میں کسی مسئلہ پر ایک رائے قائم کر سکتا تھا یا کئی مختلف فیہ رائے دی جاسکتی تھی تو آج انسانی ذہن، جس کا علمی افق ماضی سے کہیں زیادہ وسیع ہے، مسئلہ مذکور پر کوئی مناسب رائے دینے کا اہل کیوں نہیں ہو سکتا؟ قرآن مجید میں تفکر، تدبر، تعقل پر

جو غیر معمولی زور ہے کیا اس کی سزا اور صرف چھپلی نسلیں تھیں؟ خدا نے قرآن مجید نازل کیا اور اسے بیان للناس اور ہدیٰ للمتقین قرار دیا۔ اس نے فقہاء کے دو این نازل نہیں کئے۔ انسان اپنی سہولت کے لئے کوئی ضابطہ اخلاق مرتب کرے جس کا وحی ربانی سے کوئی ٹکراؤ نہ ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں لیکن کسی ایسے ضابطہ اخلاق کو تقدس حاصل نہیں ہونا چاہئے۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم خدا کی نازل کردہ کتاب کے ساتھ کسی انسانی تصنیف کو حصول ہدایت میں شریک کارنہ بنائیں۔ انسان کی ترتیب دی ہوئی کتابوں کو انسانی تصنیف کی حیثیت سے پڑھا جائے جس سے استفادہ بھی کیا جاسکتا ہو اور اختلاف بھی۔

ذہنی غلامی، خواہ اپنوں کی ہو یا غیروں کی، اس کی حیثیت ایک عذاب سے کم نہیں۔ اہل یہود جو کبھی اقوامِ عالم کی سیادت پر فائز کئے گئے تھے جب وحی ربانی کے بجائے علماء و فقہاء کی تعبیرات کے اسیر ہو گئے تو ان کے یہاں دین داری رسوم عبودیت میں بدل گئی۔ خدا کی نازل کردہ کتاب تورات کے بجائے انسانی تعبیرات پر مشتمل تلمود ان کی مذہبی زندگی کا حوالہ بن گئی۔ علمائے یہود کی تعبیرات نے ان کی مذہبی زندگی کو اس طرح گرفت میں لے لیا کہ ان کے ہاں فقہاء یہود کی قیل و قال کے بغیر مذہبی زندگی کی تنظیم ناممکن ہو گئی۔ اس پر طرہ یہ کہ حلل اور شمائی کی فقہی موشکافیاں اور ربانی اکیوا کی تعبیرات کو تورات کا ہم پلہ سمجھا جانے لگا۔ کہنے والے نے یہاں تک کہا کہ موسیٰ کے مقابلے میں تورات کا فہم ربانی اکیوا کو کہیں زیادہ ہے اور یہ کہ قیامت تک علمائے یہود تورات کی جو بھی تعبیر کریں گے وہ دراصل موسیٰ کو طور پر آنے والی وحی کا توسعہ سمجھا جائے گا۔ خدا کی کتاب کے مقابلے میں انسانی تعبیرات کو تقدس مل جانے سے وہی ہوا جس کے سبب مامور امتیں معزول ہو جاتی ہیں۔ جب یہ خیال عام ہو کہ چھپلوں نے غورو فکر کا تمام کام انجام دے ڈالا ہے اور یہ کہ متفقہ میں کی فہم کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا تو دل و دماغ کام کرنا بند کر دیتے ہیں۔ ایسی تو میں نئی صورتِ حال میں نیا فیصلہ کرنے کے بجائے ﴿وَجَدَنَا آبَاءَ نَا كَذَلِكَ يَفْعُلُونَ﴾ کا ورد کرتی رہتی ہیں۔ تخلیقی قوتوں کا آبشار خشک ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر سبست کی حرمت کو لیجئے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اہل یہود اس دن کو خدا کے لئے خاص کرتے کہ عبودیت کا یہی تقاضہ تھا لیکن اس کے برعکس فقہاء یہود نے ایسے کاموں کی ایک طویل فہرست بنا ڈالی جو ان کے بقول دنیادارانہ امور پر مشتمل تھے۔ قدیم فقہ یہود میں ان کاموں کی فہرست انتالیس تک شمار کی گئی ہے جو سبست کی حرمت کی پامالی کا سبب ہو سکتی ہیں۔ کہاں تو احتیاط کا یہ عالم کہ آج بھی جدید یہودی فقہ میں یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ یوم السبست کو ٹوائیلٹ فلاش کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ بجلی کے بلب آن آف کئے جاسکتے ہیں یا نہیں۔ اور کہاں فقہی حیل کے ذریعے انتالیس مذکور کاموں کے علاوہ دوسرے کاموں کے لئے فقہی جواز کی تلاش۔ فقہ کے سہارے غایبِ عبودیت کو شکست دینے کا فن کوئی ان سے سیکھے۔

اہل یہود جن کے ہاں علم و دلنش کی وقیع روایت رہی ہے اگر وہ اپنی پیدا کردہ التباسات سے نکلنے میں ناکام رہے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے ہاں فقہاء یہود کو ایک ایسا تقدس حاصل ہو گیا تھا جن پر سوالیہ نشان لگانا گویا دینِ موسیٰ پر سوالیہ نشان لگانے کا

ہم معنی سمجھا جاتا تھا۔ دل و دماغ جب کام کرنا بند کر دیں یا اسے دانستاً متفقد میں کی غلامی میں دے دیا جائے تو ایسی قوی میں تحلیق و ایجاد کافن کھو دیتی ہیں۔ اب یہ صرف متفقد میں کی غلامی نہیں کرتیں بلکہ حال کی دنیا میں بھی خود کو حاشیے پر رکھنے پر مجبور پاتی ہیں۔ ان کے لئے 『کونوا قردة خاسئین』 کا فیصلہ صادر ہو جاتا ہے۔ بند صفتی ان کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔ اب وہ وہی کرتی ہیں جو غالب قوموں کو کرتا دیکھتی ہیں۔ انہیں اپنے فرض منصبی کا احساس بھی نہیں رہتا۔

جب قویں 『وجدنا آباء نا کذلک يفعلون』 کا ورد کرنے لگیں تو سمجھنا چاہئے کہ آگے راستہ بند ہے۔ کوئی سدِ سکندری ہے جو آگے حائل ہے۔ متوارث اسلام میں یہ قوت نہیں کہ وہ اس سدِ سکندری کو عبور کر سکے۔ ایسا اس لئے کہ یہ سدِ اس کی اپنی پیدا کردہ ہے، التباسات کی دھندر التباسات سے نہیں چھپت سکتی۔ اس کے لئے توازن ہے کہ وحی رباني کی براہ راست ضیاء پاشی ہو۔

متوارث اسلام بنام حقیقی اسلام

متوارث اسلام ایک ایسی تہذیبی روایت کا نام ہے جس کی اٹھان قبیعین محمدؐ کے درمیان ضرور ہوئی البتہ تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف اجنبی تصورات اس میں شامل ہوتے گئے۔ کبھی دانش یونانی کے زیر اثر کلامی بحثوں نے جنم لیا تو کبھی کوئی نہیں عیسائی راہبوں اور تارک الدنیا فکر و فلسفہ نے اسے متاثر کیا۔ یہودی فقہاء اور قصاص کی حکایتیں بھی اس کے عوامی فہم کا حصہ بن گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف انسانوں نے اپنے اپنے ذاتی روحانات اور طبائع کے زیر اثر اسلام کے مختلف قالب تیار کرنے۔ کوئی اہل تصوف کہلا یا تو کسی کو اہل ظاہر کا طعنہ سننا پڑا۔ کسی نے سنت کی اتباع اور عشق رسول سے اپنی وابستگی کو ایسی مبالغہ آمیزی سے بیان کیا کہ بسا اوقات اس پر شرک کا گمان ہونے لگا۔ دین مبین میں انسانی تفہیم و تعبیر کے مختلف رنگ شامل ہو جانے سے اسلام کے مختلف ایڈیشن وجود میں آگئے۔ متوارث اسلام کے یہ مختلف قالب وحی رباني کے بجائے انسانی تالیفات پر انحصار کرتے تھے۔ اسلام کے اتنے مختلف ایڈیشن کی موجودگی کا سبب یہ تھا کہ دین کی تشریح و تعبیر میں اب قرآن مجید کے بجائے معاون تالیفات کو کلیدی اہمیت حاصل ہو گئی تھیں۔ ہر فرقہ نے قرآن مجید کے بال مقابل مذہبی کتابوں کا ایک مجموعہ تیار کر کھاتا جس سے اس فرقہ کی شناخت ظاہر ہوتی تھی۔ مثلاً اہل حدیث کو کتب روایت کی کلیدی اہمیت پر اصرار تھا تو اہل تشیع کے یہاں دین کی کوئی تعبیر ائمہ معصومین کے حوالے کے بغیر نہیں کی جاسکتی تھی۔ سنی اسلام کے دوسرے گروہ کتب احکام اور کتب فقہ کو مذہبی زندگی میں رہنمائی کے لئے ناگزیر جانتے تھے۔ آگے چل کر جب مسلمانوں میں جماعت سازی یا شخصیات کی بنیاد پر گروہ بندی کا تصور عام ہوا تو ہر جماعت نے فہم دین کے لئے اپنے شیخ کی تالیفات کو کلیدی اہمیت دے ڈالی۔ قرآن کے بال مقابل مختلف انسانی قرآن وجود میں آجائے سے وحدت امت کا تصور پاٹ پاٹ ہو گیا۔ چونکہ فرمودات شیخ کو دین میں سند کی حیثیت حاصل ہو چکی تھی اور شیخ کے

تصور دین پر زبان بندی کو معتقد رین ایمان کا حصہ سمجھ بیٹھے تھے اس لئے متوارث اسلام میں شیوخ کے التباسات فکری کے درآنے کا سلسلہ جو ایک بار چل پڑا تو شافعی سے لے کر اب تک اس سلسلے کو روکانے جاسکا۔ مثلاً ابو حامد غزالی کی تصنیفات جب پہلی بار منظر عام پر آئی تھیں تو ان کے تصور دین کی سخت نکیر کی گئی۔ اسلامی بلاد و امصار میں ان کی تصنیفات نذر آتش کی گئیں لیکن رفتہ رفتہ غزالی کی مخالفت کا زور کم ہوا اور صورت حال یہاں تک بدل گئی کہ اب وہی غزالی ہمارے درمیان جنتۃ الاسلام کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ متوارث اسلام کے متكلّمین ہر دور میں ٹرین کے مسافر کی نفسیات سے دوچار رہے ہیں۔ ڈبے میں بیٹھنے والا ہر شخص پہلے تو ہر آنے والے کی مخالفت کرتا ہے پھر جب نیا مسافر کسی طرح اپنی جگہ بنالیتا ہے تو وہ بھی نئے آنے والے کی مخالفت میں سب کا شریک بن جاتا ہے۔ انسانی تعبیرات والتباسات کے عمل دخل کا یہ سلسلہ متوارث اسلام میں کسی طرح بھی روکا نہیں جا سکتا۔

متوارث اسلام کے بالمقابل اسلام کا یہ تصور کہ اس کے مبادیات و حی ربانی کے صفات میں قیامت تک کے لئے محفوظ ہیں، ہمیں انسانی فہم پر انحصار سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ حقیقی اسلام کے حاملین و حی ربانی کو ایک ایسے صحیفہ کے طور پر پڑھ سکتے ہیں جو عصر حاضر کے لئے نازل ہوا ہوا اور جس میں موجودہ دور کے انسانوں کی رہنمائی کا مکمل سامان پایا جاتا ہو۔ یہاں معتقد مین کے التباسات فکری ہماری راہ کا روڑا نہیں بنتے۔ ہم ان سے اکتساب فیض کو تواریخ کھلتے ہیں البتہ ان کے فہم کو حرف آخر نہیں سمجھتے۔ معتقد مین کے سلسلہ میں تمام تر عقیدت و احترام کے باوجود ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ﴿ تلك امة قد خلت لها ما كسبت ولكن ما كسبتم ولا تسئلون عمما كانوا يعملون ﴾ (آل بقرة: ۱۴۱)۔ حقیقی اسلام قرآن مجید کوتازہ بتازہ وحی کے طور پر پڑھتا ہے البتہ کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ وہ تفہیم و تعبیر میں عہد رسول کے زمانی اور مکانی پس منظر سے بے نیاز ہو سکتا ہے۔ عہد رسول جہاں وحی ربانی کو بے کمال احسن برتنے کا سلیقہ سکھایا گیا ہمارے لئے بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ البتہ ہم اس عہد کو سمجھنے میں وحی جیسے لازوال مأخذ کے مقابلے میں کسی دوسرے تاریخی مأخذ پر حقیقی بھروسہ نہیں کر سکتے۔ چودہ صدیوں پر مشتمل متوارث علمی و تہذیبی ذخیرے کو یک سر قلم زد کرنا بھی سادہ لوگی ہوگی۔ ہمارا کام تو یہ ہے کہ حقیقی اسلام کی تلاش میں ہم مختلف ادوار کے التباسات فکری پر تنقیدی نگاہ ڈالیں اور اس سے حتی المقدور اپنادا من بچائے رکھیں اور یہ تب ہی ممکن ہے جب ہم وحی کی روشنی میں متوارث اسلام کے بڑے بڑے شارجین، جنہیں بوجوہ تقدس کا حامل سمجھا جاتا ہے، کے بے لگ محاکے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔

تیرہ صدیوں پر مشتمل عظیم تعبیری ادب کا محاکمہ اگر وحی ربانی کی روشنی میں کیا جاسکے تو یہ ہماری تاریخ کا ایک عظیم و قواعد ہو گا۔ ہم ایسا محسوس کریں گے کہ گویا ایک بار پھر عہد رسول کا اسلام ہماری نگاہوں کے سامنے مکشف ہو گیا ہو۔ دنیا میں ساری بڑی تبدیلیاں خیالات کے سہارے آتی ہیں۔ خیالات میں بڑی قوت ہوتی ہے۔ جس قوم کے پاس کوئی خیال نہ ہو اور جو صدیوں

سے قدماء کی کتابوں پر حاشیہ در حاشیہ لکھنے کو علم کا معراج سمجھتی ہواں کے لئے کسی نئی صبح کا کوئی وعدہ نہیں ہے۔ جہاں متوارث اسلام انسانوں کو فرقتوں میں بانتا، شیوخ اور فقهاء کے خیموں میں منقسم کرتا، جماعتی اور گروہی ذہنیت کا اسیر بنتا تو ہیں حقیقی اسلام قرآن مجید کے بالمقابل تمام انسانی قرآنوں کے غیاب کی صدابند کرتا ہے۔ وہ ایک ایسی صورتحال کے قیام کی دعوت دیتا ہے جہاں خدا کی کتاب کے علاوہ تمام انسانی تالیفات ناقابل اعتبار قرار پائی گئی ہوں۔ تمکن بالکتاب کا واقعی حق اسی ماحول میں ادا ہو سکتا ہے۔

کوئی تیرہ صدیوں پر مشتمل تعبیری ادب کے محاکمے کے خیال سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ہمارا مقصود م Hispan کی علمی تحریک کا برپا کرنا ہے۔ روایتی انداز کی علمی تحریکیں متوارث اسلام میں مزید رنگوں کے اضافے یا یا مزید التباسات کو جنم دینے کا سبب بنیں گی۔ وحی رباني کے صفات سے تازہ بتازہ اسلام کی ضیاء پاشیوں کے لئے لازم ہو گا کہ ہم وحی جیسے لازوال و شیقہ کی عظمت سے آشنا ہوں اور ساتھ ہی ہمیں تاریخ کے موجودہ لمحے میں اپنی واقعی اہمیت کا بھی کسی قدر رانداز ہو۔ ہم یہ سمجھتے ہوں کہ خدا نے ہمیں اس اعزاز کا سزاوار سمجھا کہ اپنی عظیم کتاب ہمارے لئے نازل کی۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم اپنی تمام تربیتی دامنی کے باوجود اس عظیم ہدایت سے اپنے فکر عمل کی راہیں روشن کریں۔ کہاں خدا کا کلام اور کہاں انسان کا محدث و فہم۔ لیکن اسے کیا کہجئے کہ خدا نے عام انسانوں کے لئے اس کتاب کو نازل کیا۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ ہم تدبر و تفکر اور تعلق سے کام لیں اور یہ سب کچھ ایک ایسے زمانہ میں جب آخری پیغمبر کی رحلت پر کوئی چودہ صدیاں بیت چکی ہیں۔

جب خدام اعام انسانوں سے براہ راست خطاب کرتا ہے اور اس کا مطالبہ ہے کہ عام انسان اس کی کتاب میں غور و فکر کریں تو ہمیں قرآن مجید کے راست مطالعہ سے آخر کیا چیز روکتی ہے؟ طبقہ علماء کی موجودگی اور انہیں تقدس کا حامل سمجھنا جو متوارث اسلام کی امتیازی شناخت ہے دراصل ایک اجنبی اور غیر قرآنی خیال ہے جو یہود و نصاری کی مذہبی ثقافت کے زیر اثر عہد عباسی کی ابتداء میں ہمارے یہاں داخل ہوا اور بعد کے عہد میں پختہ تر ہوتا گیا۔ اللہ نے کسی انسانی گروہ یا طبقہ مشائخ کو اس سرز میں پر اپنا نمائندہ نامزد نہیں کیا ہے اور نہ ہی رسول اللہ نے کسی خاص شخص، گروہ یا طبقہ کو اپنی نیابت سونپی ہے۔ حتیٰ کہ آپ نے خلیفۃ المسلمين جیسے کلیدی منصب پر بھی اپنی حیات مبارکہ میں کسی کو نامزد کرنے سے احتراز کیا۔ سچ پوچھئے تو آخری وحی کے حاملین کی حیثیت سے پوری امت نیابت نبوی پر مأمور ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ کیتھوں کی طرح مسلمانوں میں بھی مذہبی پیشوائی اپنے ناجائز وجود کے حق ہونے پر اصرار کرے۔ پوپ، بسپ اور فادر کے مختلف مذہبی مناصب کی طرح سماحت الشیخ، فضیلۃ الشیخ یا اہل تشیع میں آیت اللہ عظیمی، آیت اللہ اور جمیۃ الاسلام کے مدارج یا بر صغیر ہندوپاک میں مولانا مدنظر، حضرت مولانا اور حضرت جیسی اصطلاحیں آخر کس بات کی چغلی کھاتی ہیں۔ علماء و مشائخ لباس و اطوار میں خواہ عام انسانوں سے کتنے ہی مختلف کیوں نہ نظر آتے ہوں، واقعہ یہ

ہے کہ یہ حضرات آسمان سے نازل نہیں ہوئے ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان کی تعبیرات کو تخلیل و تحریک کے بغیر قبول کر لیا جائے۔ متوارث اسلام کی بساط پیشئے، دین اسلام کو جنی تصورات سے پاک کرنے اور مدت سے بند کتاب کو از سر نوکھو لئے کام کے صرف مسلمانوں کو ان کی سیادت منصبی پر دوبارہ فائز نہیں کرے گا بلکہ اس سے پوری دنیا کے انسانیت کے انتشار اور بے سمتی کے ازالے کی صورت پیدا ہوگی۔ متعین محدث نے جب سے سیادت عالم کے منصب سے اپنی معزولی کی راہ ہموار کی ہے انسانی تاریخ اپنے متعینہ راستوں سے دور جا پڑی ہے۔ تاریخ کے انحراف کی یہ درستگی ایک کائناتی وقوعہ ہوگی۔ جو کام اب تک بوجوہ نہ ہوا کا تھا اسے کرنے کا وقت آگیا ہے۔ اب آسمان سے زمین کا رشتہ منقطع ہے اس لئے کوئی شخص اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اسے فی زمانہ اسلام کے چشمہ صافی سے سیراب کرنے پر مأمور کیا گیا ہے کہ ایسا کوئی دعویٰ متوارث اسلام کا پیدا کردہ ہو سکتا ہے حقیقی اسلام کا نہیں۔